بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

فکر و نظر

شریعت ___ محمدیؐ یا سرکاری؟

یوں تو حکومت اور ایم۔ آر۔ ڈی باہم دست و گریباں ہیں، لیکن شریعت بل کی مخالفت میں یہ دونوں ٹولے، حزبِ اقتدار اور حریصانِ اقتدار، ایک ہی صف میں کھڑے ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملاتے نظر آتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ سوشلزم اور سیکولرازم ایک دوسرے سے گلے مل کر شریعت کے خلاف اپنے دیرینہ اتحاد کی خبر دے رہے ہیں تاکہ نفاذِ شریعت سے بہرحال جان چھڑائی جا سکے۔

دینی حلقوں پر یہ الزام ہمیشہ لگایا جاتا رہا ہے کہ وہ شریعت پر متفق نہیں ہو سکتے، اور اسی بنار پر یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ شریعت بل فرقہ وارانہ انتشار کا باعث ہوگا۔ چنانچہ لادین دانشوروں اور سرکاری اجارہ دار طبقوں کا یہ حربہ بڑا پرانا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف براہِ راست آواز اٹھانی چوں کہ مشکل ہے، اس لیے شریعت کی عملداری کے خلاف جب بھی کوئی سازش ہوئی، اسی مذکورہ بہانے سے ہوئی۔ عباسی دورِ خلافت میں عجمی فلسفہ اور قانون کو عربی میں منتقل کرنے کا کام مشہور زندیق ابن المقفع کے ہاتھوں ہوا، جس نے علماء اور قضاۃ کے فتووں اور فیصلوں کے اختلاف سے جنم لینے والے موہوم بحران کی آڑ میں عباسی خلفار کو سرکاری شریعت مدون کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ چناں چہ اس سلسلہ میں اس کا ایک رسالہ .....

"جَمْهَرَةُ رَسَائِلِ الْعَرَبِ" میں موجود ہے۔ ابن کے حامی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مختلف تدبیروں سے منصور، مہدی اور ہارون رشید کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن امام مالکؒ کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے۔ جدید دور میں یہی نظریۂ قانون، مستشرقینِ یورپ کے خوشہ چین آنجہانی غلام احمد پرویز نے 'برسرِ اقتدار طبقہ کی کاسہ لیسی کے لیے متعارف کرایا ہے۔ جس میں اس نے حکومت کی مرکزی اتھارٹی کو "مرکزِ ملت" کا نام دے کر خدا اور رسول کے قائم مقام ٹھہرایا ہے۔ جو "ختمِ نبوت" کے عقیدہ کے خلاف "نبوت کے تسلسل" کا ہی ایک نظریہ ہے۔

بالفاظِ دیگر، انگریز کے خود کاشتہ پودا "قادیانیت" کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کے زوال کے لیے "جہاد" کی مخالفت کرتے ہوئے جو سازش تیار کی تھی، وہی سازش غلام احمد پرویز نے اہل علم کے "اجتہاد" کی بجائے، سامراج اور سرکار کی ذہنی غلامی پیدا کرنے کے لیے "مرکزِ ملت" کا تصور پیش کرکے کی ہے۔ تاکہ شریعتِ الٰہی پر انسانی قانون کو بالادستی دی جاسکے۔ واضح رہے کہ مروجہ قوانین کی اصل، "حمیری تختیوں" کو قرار دیا جاتا ہے، جس کی بنیاد نمرود کے ہاتھوں رکھی گئی۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ غلام احمد پرویز کے اس نظریۂ قانون کے تحت سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ اگر فکری بالادستی بھی سرکار کو حاصل ہوگئی تو یہ ملتِ ابراہیمی کے خلاف نمرودی ذہن کی بازگشت ہوگی۔

ابن المقفع وغیرہ نے عجمی فلسفۂ قانون کی چربہ سازی کرتے ہوئے عباسی خلفاء، منصور اور پھر مہدی کو جب سرکاری شریعت کی تدوین کا مشورہ دیا، اور انہوں نے یہ تجویز امام مالکؒ کے سامنے پیش کی تو امام صاحب نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اسی تجویز کے رد میں امام مالکؒ کا یہ مقولہ معروف ہے کہ:

"مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ قَوْلُهٗ مَقْبُوْلٌ اَوْ مَرْدُوْدٌ عَلَیْهِ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ۔"

یعنی "ہر کسی کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔ ہاں مگر یہ صاحبِ روضہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کہ آپ کی بات صرف قبول ہی کی جائے گی، رد ہرگز نہیں کی جا سکتی!)"

آخری مرتبہ ہارون رشید نے جب اسی تجویز کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا کہ امام مالک رح کی مؤطا کو کعبہ میں لٹکا کر جملہ دیار و امصار کے مجتہدین کو اس کا پابند بنایا جائے تو آپ رح نے اس صورت کو بھی تسلیم کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار فرما دیا کہ مؤطا ساری شریعت کا مجموعہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ رض و تابعین رح کے دیگر علاقوں میں پھیلنے کے ساتھ ساتھ کافی احادیث اور روایات بھی ان علاقوں میں پہنچ چکی ہیں، جب کہ ہر ایک کو صرف وحی کی اتباع کا حکم ہے۔ لہٰذا وہ اپنے پاس محفوظ سنّت پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہیں ——— یوں سرکاری شریعت مدون کرنے کی یہ سازش دب گئی!

اس "تدوینِ شریعت" کے ساتھ ساتھ امام ابو حنیفہ رح کو "تعبیرِ شریعت" کا مسئلہ درپیش ہوا، کہ اس دور میں یہ اہم منصب شعبۂ قضاء کے پاس تھا اور اس سلسلے میں قاضی القضاۃ کی حیثیت کلیدی ہوتی تھی۔ امام ابو حنیفہ رح کی طرف سے اس عہدہ کو قبول کرنے کی صورت میں چوں کہ یہ خطرہ تھا کہ آپ رح تعبیرِ شریعت کے سلسلہ میں سرکاری ذہن کی بالادستی کے فتنہ سے دوچار ہو سکتے تھے۔ اس لیے آپ رح نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ سنّتِ یوسفیؑ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آپ رح کو اس انکار کی پاداش میں قید و زندان بھی قبول کرنا پڑا۔

آج اگرچہ بہت کم مسلمان اپنے اسلاف کے اس ایمانی جذبہ اور کسی مسئلہ

کو قبول کرنے میں اس احتیاط سے متصف ہیں، لیکن ہماری روایات بڑی تابندہ ہیں۔ اپنے اسلاف کی امانت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اور اس مبارک ورثے کے خلاف ہم ان شاء اللہ کوئی بھی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے! ــــ سرکاری فکر کے اجارہ دار اور لادین دانشور ہمیشہ یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ شریعتِ محمدیؐ کا نفاذ اس لیے ممکن نہیں کہ علماء شریعت پر متفق نہیں ہو سکتے، حالاں کہ علماء نے یہ چیلنج آج بھی قبول کیا ہے اور اس سے قبل بھی انہوں نے اسلامی دستور کے لیے بائیس (۲۲) بنیادی نکات متفقہ طور پر پیش کر کے قبول کیا تھا لیکن افسوس کہ جس طرح سرکار نے ان بائیس (۲۲) نکات کی پذیرائی نہ کی اور انہیں سرد خانہ میں ڈال دیا، بالکل اسی طرح آج بھی کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آنے والے اس خطۂ ارضی میں شریعت کے نفاذ کے راستے میں روڑے اٹکائے جا رہے ہیں اور علماء کو اس کے لیے تحریک چلانی پڑ رہی ہے۔

یہی سلوک سرکار نے "قرار دادِ مقاصد" کے ساتھ کیا ــــ کہنے کو تو یہ مارچ ۱۹۴۹ء میں پاس کر دی گئی، لیکن اسے قانونی حیثیت دینے سے پہلوتہی کی جاتی رہی۔ اب قرار دادِ مقاصد کو اگرچہ دستور کا حصہ بنا دیا گیا ہے، لیکن جب اسے عملی حیثیت دینے کے لیے شریعت بل پیش کیا گیا تو اب نعرہ یہ لگایا جا رہا ہے کہ شریعت بل دستور کے منافی ہے۔ اس پر مستزاد یہ پروپیگنڈہ کہ شریعت بل سے فرقہ واریت کو فروغ حاصل ہوگا، جو وہی پرویزی ہتھکنڈہ اور نفاذِ شریعت سے بچنے کے لیے پرانی حیلہ سازی ہے۔ حالاں کہ جملہ دینی مکاتبِ فکر "قرار دادِ مقاصد" اور "متفقہ بائیس نکات" کے مرحلہ سے کامیاب گزرنے کے بعد ایک دفعہ پھر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف لادین طبقہ کے اس "فقہی اختلافات" کے پروپیگنڈہ کو توڑنے کے لیے کتاب و سنت پر اتحاد

کر کے مثبت جواب دیا ہے، بلکہ فقہی اختلافات سے پاک ایک "متفقہ شریعت بل" پیش کر کے شریعت پر حکومت کی فکری اجارہ داری قائم ہونے کی بھی نفی کر دی ہے۔ ہمارے اکابرین ائمہ اربعہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے یہ روایت قائم کی تھی کہ سیاسی قوت کے ساتھ علمی اور فکری بالادستی کا توازن قائم رہے تاکہ سیاسی آمریتوں کے ساتھ علمی آمریت جمع نہ ہو سکے۔ بالکل اسی انداز سے دینی مکاتبِ فکر نے جہاں شریعت بل کی دفعہ ۲ میں اختلافی شقوں، ب، ج، د، کو متفقہ بنا لیا ہے، وہاں "اجتہاد" کے نام پر "الحاد" کے دفاع کے لیے دفعہ ۱۲ کو باقی رکھنے پر زور دیا ہے تاکہ محمدی شریعت کی جگہ بناوٹی شریعت نہ لے سکے۔

قرار دادِ مقاصد کو مؤثر حیثیت دینے کی غرض سے پیش کیے جانے والے شریعت بل کو حکومت نے ٹالنے کی خاطر "نویں آئینی ترمیم" پر اکتفا کرنے کی کوشش کی اور اسی کو شریعت بل کا نام دیا۔ حالاں کہ خود نویں آئینی ترمیم کو بھی سینٹ میں جس شکل میں پاس کرایا گیا، وہ اُس قرار داد سے قطعی مختلف ہے جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو قومی اسمبلی نے اسی نویں آئینی ترمیم کی خاطر متفقہ طور پر منظور کی تھی۔ کیوں کہ اس قرار داد میں قرآن وسنت کی بالادستی تسلیم کی گئی تھی۔ جب کہ نویں آئینی ترمیم میں اسے بدل کر اسلام کے ان احکام کی بالادستی منظور کروائی گئی، جنہیں حکومت قانون سازی کے ذریعے متعین کرے۔ اور یوں محمدی شریعت پر سرکاری شریعت کی بالادستی، یا بالفاظِ دیگر شریعت پر حکومتی اجارہ داری قائم کرنے کی سازش کی گئی۔ اسی طرح اب چوں کہ دینی حلقے نویں آئینی ترمیم کو قابلِ اصلاح اور ناکافی سمجھتے ہیں لہٰذا "پرائیویٹ شریعت بل" کے بالمقابل "سرکاری شریعت بل" لانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ اس سلسلے میں علماء کا بورڈ بنانے کی تجویز بھی زیرِ غور ہے۔ حالاں کہ اسلامی نظریاتی کونسل سے بڑھ کر وہ کون سا علماء بورڈ ہو گا جو آئینی حیثیت

بھی رکھنا ہو ؟ پھر اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اس "متفقہ ترمیمی شریعت بل" کے مطابق بھی ہیں جو جملہ مکاتبِ فکر کے نمائندوں نے تیار کیا ہے ! ——

یہ ساری مساعی دراصل نفاذِ شریعت کی راہ میں بند باندھنے کے مترادف ہیں، اور اسی بنا پر انتہائی مذموم بھی۔

رہا شریعت بل کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کہ یہ آئین سے متصادم ہے، تو یہ بھی محض اس وجہ سے ہے کہ سرکاری شریعت بل لاکر قراردادِ مقاصد کے تقاضوں کو پامال کیا جا سکے۔ ورنہ سوچا جائے کہ اگر قراردادِ مقاصد کی تکمیل کے لیے شریعت بل کو منظور کرنے سے آئین میں کچھ ترامیم کی ضرورت پڑتی ہے، تو یہ ترامیم اس لیے بھی ضروری ہیں کہ خود قراردادِ مقاصد بھی تو آئین کا حصہ ہے، اور اس بنا پر آئین کا باہمی تضاد ختم ہونا چاہیے۔ یوں اس غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ چنانچہ آئین کا یہ تضاد ختم کرنے کے لیے ایسی ترامیم کو نویں آئینی ترمیم میں شامل کیا جا سکتا ہے، جو دینی حلقوں کا دیرینہ مطالبہ بھی ہے۔ یوں حکومتی پارٹی کی انا بھی باقی رہے گی اور شریعت بل کو مؤثر قانونی حیثیت بھی حاصل ہو جائے گی !

یاد رہے کہ شریعت بل کا مرکزی تصور حکومت کے جملہ شعبوں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ پر شریعت کی بالادستی ہے۔ اور یہ کام جس طریقہ سے بھی پورا ہو، بہرحال ریفرنڈم میں نفاذِ شریعت کی تکمیل کے وعدہ پر قائم ہونے والی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ اگر متفقہ شریعت بل کی منظوری سے پہلوتہی کی گئی، تو خود حکومت اور اسمبلیوں کے جواز کو بھی چیلنج کیا جا سکتا ہے —— فَاعْتَبِرُوْا يٰاُوْلِي الْاَبْصَارِ !

(مدیر)